اور یہ نصرت و فتح مندی ۸ھ ماہ رمضان میں آ گئی۔اس کے بعد قبائل عرب نے بڑے پیمانے پر اسلام قبول کیا۔اور اللہ ﷻ کی یہ بشارت پوری ہوئی۔اور جب محمد رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لئے تشریف لا رہے تھے،اس وقت ''نفوس قدسیہ'' کی صورت میں ''دس ہزار'' جان نثار صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔یہ تعداد بائبل کی اس بشارت کے عین مطابق تھی،جس میں کہا گیا ہے :''دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔''مسلم مؤرخین کے علاوہ عیسائی علماء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ واقعی اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام رضی الله تعالیٰ عنهم تھے۔

پادری فانڈر لکھتے ہیں:'' ہجرت کے آٹھویں سال جب محمد نے مکہ پر لشکر کشی کی تو دس ہزار مسلمان آنحضرت کے ساتھ تھے۔''(۱)

پادری برکت اللہ صاحب ایم اے لکھتے ہیں :''غرض ۱۰ رمضان ۸ھ مطابق یکم جنوری ۶۳۰ھ کے روز آنحضرت مہاجرین و انصار اور قبائل عرب کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے ،تو آپ کے ساتھ دس ہزار آدمی تھے۔''(۲)

آٹھویں بشارت : آتشیں شریعت

اسی بشارت کے اگلے حصے میں مرقوم ہے: ''اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔''(۳)

اس عبارت سے واضح ہے کہ جو مقدس ومتبرک ہستی ''کوہ فاران'' سے جلوہ گر ہوگی اور اس کے ساتھ ''دس ہزار'' کی تعداد میں قدسی ہوں گے،وہ مکہ کو فتح کرے گا اور اس کے ہاتھ میں ''آتشی شریعت'' (یعنی قرآن مجید) ہوگا۔

جس طرح پہلی دونوں بشارتیں آپ ﷺ پر پوری اترتی ہیں۔اسی طرح بشارت کا یہ مقام بھی آپ ﷺ پر ہی صادق آتا ہے۔قرآن کریم کو ''آتشی شریعت'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کی روحانی قوت وتاثیر سے مدتوں کا کافر'اللہ کا منکر' برسوں کا مشرک ساعتوں ولمحوں میں مؤمن وموحد بن گیا۔کٹر سے کٹر مخالفین جان باز فدائی بن گئے-اسی آتشیں شریعت (کتاب ہدیٰ) کی برکت سے دنیا کی کایا پلٹ گئی اور مسلمانوں نے اس شریعت کو قائم کر کے دنیا کی ایک بڑی آبادی کو اس سے مستفیض کیا۔

حدیث رسول ﷺ ہے:(إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما و يضع به آخرين)(٤)

''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلندی عطا کرتا ہے اور بعض لوگوں کو اس کی وجہ سے پستی میں ڈالتا ہے-''

کتابِ ہدیٰ میں یہ تاثیر دیکھی بدلتے قوموں کی تقدیر دیکھی

قرآن کریم کو ''آتشی شریعت'' اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ اس میں جہاد وقتال،حدود وقصاص اور تادیب وتعزیرات کے احکامات بھی پائے جاتے ہیں۔جو کافروں،مجرموں اور دہشت گردوں کے لئے واقعی ''آتشی'' ہے- اور ایسا ''آتشی دستور'' ہی دنیا میں ''امن وآشتی'' کا ضامن ہے-

---

(۱) فنڈر ' میزان الحق بحواله اظهار الحق حصه سوم ، و اسلام اور عیسائیت (۲) پادری برکت الله، محمدعربی ص ۱۷٤ (۳) استثناء ۲:۳۳ (٤) متفق علیه

(جاری ہے)

آخری قسط

جرابوں پر مسح

تقدیم: ثناءاللہ باقر　　　تلخیص وتہذیب: رحیم اللہ وارثی

مدت مسح کی تحدید: جمہور علمائے امت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابن حزمؒ وغیرہ کے نزدیک مقیم کے لیے مسح کی مدت ایک دن ایک رات (24 گھنٹے) اور مسافر کے لیے تین دن تین راتیں (72 گھنٹے) ہیں۔(بدائع الصنائع ۱/۷۷، المجموع ۱/۵۰۶، المغني ۱/۳٦۵) اس حد بندی کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ مسئلہ علی (ؓ) سے پوچھ لو، وہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، وہ اس بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

شریحؒ کہتا ہے کہ ہم نے علی ؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے مسافر کے لیے مسح کی مدت تین شب وروز اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔(مسلم، الطهارة، باب التوقیت في المسح علی الخفین ح :۲۷٦)

۲۔ حضرت عوف بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مسافر کے لیے تین دن اور ان کی راتیں، جبکہ مقیم کے لیے ایک دن رات موزوں پر مسح کا حکم دیا۔(مسند احمد ٦/۲۷) امام احمدؒ نے کہا: موزوں پر مسح سے متعلق یہ ایک عمدہ حدیث ہے، کیونکہ یہ حکم جنگ تبوک کے موقع پر دیا گیا۔ جس طرح یہ جنگ رسول اللہ ﷺ کی آخری جنگ ہے اسی طرح یہ حکم بھی آخری ہے جو منسوخ نہیں ہوا۔''

محدث شام علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(ارواء الغلیل ۱/۲۳۸ ح :۱۰۲)

۳۔ حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ''مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن ہے۔'' (ترمذی، طهارة، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم وقال هذا حدیث حسن صحیح، ابو داؤد طهارة، باب التوقیت في المسح ح: ۱۵۷)

۴۔ حضرت صفوان بن عسال ؓ سے روایت ہے: جب ہم سفر میں ہوتے رسول اکرم ﷺ ہمیں حکم دیتے کہ ہم موزے تین دن تین رات تک نہ اتاریں سوائے جنابت کے اور یہ اجازت بول و براز اور نیند کی حد تک ہے۔(ترمذی :هذا حدیث حسن صحیح وقال محمد (البخاريؒ): أحسن شيء في هذا الباب حدیث صفوان بن عسال، کتاب الطهارة باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، قال المبارکفوریؒ: وأخرجه الشافعي واحمد والنسائي وابن ماجه

والدارقطني والبيهقي وابن حبان،وقال ابن حجرؒ في الدراية: و في الباب عن أكثر من عشرة من الصحابة ﷺ، تحفة الأحوذي)

مدت مسح کی ابتدا کہاں سے شمار ہوگی؟ :بے وضوء ہونے سے یا مسح کرنے سے؟

پہلا قول: من الحدث بعد اللبس یعنی موزہ، جراب پہننے کے بعد وضوٹوٹنے سے مسح کی مدت شروع ہوگی۔اس کے قائلین میں امام ابوحنیفہؒ،امام شافعیؒ،امام احمدؒ، داؤد ظاہریؒ اور جمہور اہل علم رحمهم الله اجمعين شامل ہیں۔

دوسرا قول: من المسح بعد اللبس یعنی موزہ پہننے کے بعد مسح سے شروع ہوگی۔اس کے قائل امام اوزاعیؒ،ابوثورؒ،ابن المنذرؒ،ایک روایت امام احمدؒ سے اور معاصر فقہاء میں سے علامۃ النجد محمد بن صالح العثیمینؒ اور محدث شام علامہ ناصر الدین الألبانی رحمهم الله اجمعين قابل ذکر ہیں۔

ثمرة الخلاف یہ ہے کہ ایک مقیم شخص نے مثلاً صبح 4:30 پر وضوء کر کے جراب پہن لیا، پھر طلوع شمس کے بعد 6:30 پر بے وضوء ہوا اور اس نے ظہر کی نماز کے لیے 12:15 پر وضوء کر کے جرابوں پر مسح کیا۔مسلک اول کے مطابق یہ شخص اگلی صبح 6:30 تک،قول ثانی کے مطابق دوپہر 12:15 تک مسح کر سکے گا۔

علامہ عثیمینؒ فرماتے ہیں:''ایک شخص نے نماز فجر کے لیے وضوء کر کے موزہ پہن لیا،اس وضوء پر ظہر اور عصر پڑھی۔عصر کے بعد پانچ نمازوں تک مسح کرے گا۔فرض کریں کہ اس شخص نے دوسرے دن 4:45 پر مسح کیا اور اسی وضوء پر مغرب اور عشاء پڑھی۔اب اس نے اسی مدت میں پہلے دن ظہر پڑھی دوسرے روز عصر،مغرب اور عشاء پڑھی،تیسرے روز فجر،ظہر،عصر،مغرب اور عشاء پڑھی اس طرح نمازوں کی تعداد 9 ہوگی۔اس مثال سے معلوم ہوا کہ تعداد نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔جس طرح کوئی مقیم مسح کرنے کے بعد سفر شروع کرے تو فقہائے حنابلہ کی تصریح کے مطابق یہ شخص 72 گھنٹے تک مسح کرتا رہے گا۔اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسح کی ابتداء موزہ پہننے یا بے وضوء ہونے کو قرار دینا ایک ضعیف رائے ہے۔(فتاوی أركان الاسلام ص ٢٣٠ فتوى: ١٤٤)

بے وضو حالت میں اگر ایک موزے یا جراب کو اتارے:تو دونوں پیر دھولے گا یا ایک؟

جمہور اہل علم امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ وغیرہ نے پہلا مسلک اختیار کیا ہے۔ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں موزوں پر مسح کیا اور بحالت برہنہ دونوں کو دھولیا اور اسی کا حکم بھی دیا۔اس حکم و عمل سے باہر نکلنا درست نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:(**لا يمش أحدكم في نعل واحد ولا خف واحد ، ليخلعهما جميعا أوليمش فيهما جميعا**)''تم میں سے کوئی ایک ہی جوتی یا ایک ہی موزے میں نہ چلے، دونوں کو اتار دیں یا دونوں کو پہن کر چلیں۔''(ابن ماجه حديث: ١٦١٧) اس کی سند صحیح ہے۔(الزوائد،ألباني:حسن صحيح)اس حدیث سے بھی اس قول کی ترجیح میں مدد ملتی ہے۔

سفیان ثوریؒ وغیرہ بعض فقہاء کرامؒ اس حالت میں صرف ایک پیر کو دھونے کے قائل ہیں۔

لیکن دونوں موزوں کو اتارنے سے وضوء ٹوٹنے کی صورت میں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ صرف پیروں کو دھونا کافی نہیں۔ پورا وضوء نئے سرے سے کرنا واجب ہے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایک موزے کو اتارنا دونوں کو اتارنے کی طرح ہے۔ اور دونوں کو اتارنے سے سب کے نزدیک دوبارہ وضو کرنا پڑتا ہے۔ اس متفقہ مسئلے سے اس اختلافی مسئلے کے حل میں مدد لی جا سکتی ہے۔ یعنی ایک کو اتارے یا دونوں کو، حکم برابر ہے۔

مسح کے بعد ایک موزے کو یا دونوں موزوں کو اتارنا:

اس صورت میں صرف دونوں پیر دھولے تو کافی ہوگا یا پورا وضوء دوبارہ کرنا پڑے گا؟ فقہاءؒ کے درج ذیل اقوال مشہور ہیں:

پہلا قول: یہ نواقض مسح میں سے ہے۔ ایسا شخص دوبارہ وضو کرے گا۔ اس کے قائل امام شافعیؒ (الجدید)، امام احمدؒ، اوزاعیؒ وغیرہ ہیں اور معاصر علماء میں سے علامہ عبدالعزیز بن باز اور شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمهم الله ہیں۔ (المغنی ۱/۲۸۸، بدائع الصنائع ۱/۸۸، المجموع ۱/۵۵۹، فتح الباری مع التعلیقات السلفیة ح: ۲۰۶)

دوسرا قول: صرف پیروں کو دھولے۔ اس کے قائل حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام مالکؒ، مزنیؒ، ثوریؒ، ایک روایت امام احمدؒ سے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہیں۔ (المغنی ۱/۲۸۸، بدائع الصنائع ۱/۸۸، المجموع ۱/۵۵۹، مجموع الفتاوی ۲/۱۸۱)

تیسرا قول: اس کا وضوء برقرار ہے، پیروں کو بھی دھونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے قائل امام حسن بصریؒ، ابن حزم ظاہریؒ اور معاصرین میں سے علامہ ناصر الدین البانیؒ ہیں۔ (المحلی ۱/۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبة ۱/۲۱۷، مصنف عبدالرزاق ۱/۲۱۰، المجموع ۱/۵۵۷، تمام النصح فی احکام المسح للألبانیؒ)

قول اول کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مسح، دھونے کا قائم مقام ہے، جب مسح کی چیز کو اتار لیا گیا تو نیابت کا حکم بھی زائل ہوگا۔ جس طرح پانی نظر آنے سے تیمم باطل ہو جاتا ہے۔ (کشاف القناع ۱/۱۳۷)

۲۔ وضو بعض اعضاء میں باطل ہوا تو تمام میں باطل ہوگا۔ کیونکہ مسح، حدث کو دور کرتا ہے اور حدث بعض حصوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع ۱/۸۹)

۳۔ ایک موزہ اتارنے کی صورت میں دونوں پیر دھونے کے قائل امام ابوحنیفہؒ وغیرہ نے اس پر جو دلیل پیش کی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں موزوں کا اتارنا پورے وضو کو باطل کرتا ہے۔ (کشاف القناع ۱/۱۳۷)

فریق ثانی کے دلائل درج ذیل ہیں:

ا۔موزوں پر مسح کرنا دھونے کا قائم مقام ہے،تو دونوں پیروں کے ظاہر ہونے سے قائم مقام باطل ہو جاتا ہے اور مسح سے پہلے موجود حدث صرف پاؤں تک سرایت کر گیا ہے۔اس لیے صرف اسی کو دھولے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی قول کو اعدل الأقوال کہا ہے۔

فریق ثالث کے نقطہ ہائے نظر یہ ہیں:

ا۔ نئے سرے سے وضو یا صرف پیروں کو دھونا لازمی قرار دینے سے رخصت مسح کی حکمت ومشروعیت ختم ہوکر رہ جاتی ہے۔جو ایک شرعی سہولت ہے۔

۲۔اگر کوئی شخص سر کا مسح کرنے کے بعد بال کٹوائے تو دوبارہ مسح کرنا،وضو وغسل کرنے کے بعد ناخن ترشوائے تو ان کا دوبارہ دھونا ضروری نہیں۔اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے۔(المجموع ١٦/٥٥٨)

دلائل کا جائزہ ومناقشہ:

فریق ثانی کی پہلی دلیل صرف ایک دعوی ہے،جس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔قول ثالث کی پہلی دلیل کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ہر سہولت کی ایک حد ہوتی ہے جس پر دروازہ بند ہو جاتا ہے۔نیز موزے اتارنے والے نے خود ہی سہولت کو ختم کیا ہے۔

جبکہ دوسری دلیل کے متعلق علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہ قیاس محل نظر ہے۔اس کی وضاحت میں شیخ ابن بازؒ رقمطراز ہیں کہ سر میں اصل حکم یہ ہے کہ مسح کیا جائے ،اس پر بال ہو یا نہ ہو۔جبکہ موزوں پر مسح' دھونے کا قائم مقام ہے۔لہٰذا دونوں کی اصلیت جدا ہوگئی۔اس اصول سے یہ قول راجح ثابت ہوتا ہے کہ موزے اتارنے سے وضوء باطل ہوتا ہے اور صرف دونوں پیروں کا دھونا کافی نہیں،کیونکہ موالات (اعضائے وضو کا پے درپے دھونا) شرط ہے۔(فتح الباری، وضوء، باب المسح علی الخفین ح: ٢٠٦)

خلاصہ یہ نکلا کہ **موزوں کو اتارنے کی تین صورتیں ہیں:**

ا۔ بے وضو حالت میں دونوں کو اتار لینا۔اس صورت میں جمہور اہل علمؒ کے نزدیک ناقض مسح ہے۔دوبارہ وضو میں پاؤں دھونا ضروری ہے۔

۲۔ بے وضو شخص صرف ایک ہی موزہ اتار دے۔راجح مسلک کے مطابق اسے بھی وضو میں پیر دھونا پڑے گا۔

۳۔ ایک موزے یا دونوں کو حالت مسح میں اتار لینا۔اس حالت میں بھی دوبارہ وضو کرنا راجح مسلک ہے۔ واللہ اعلم

مسح کی مدت پوری ہونے پر: اگر کوئی شخص مسح کی طہارت پر ہو تو مسح کی مدت پوری ہو جانے پر اس کا وضوء ٹوٹے گا یا نہیں؟ اس مسئلے میں علماءؒ کے تین اقوال مشہور ہیں: